

مسئلہ تملیک اور زکوٰۃ سے متعلق بعض دوسرے مسائل

(اہل علم کے غور و فکر کے لیے)

از جناب مولانا امین صاحب اصلاحی

ترجمان القرآن بابت محرم ۱۳۷۴ھ میں خان محمد صاحب ربانی کا ایک مضمون بعنوان "حضرات علمائے کرام کی خدمت میں چند سوالات" شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں چند ایسے سوال اٹھائے گئے تھے جو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک کو رکن یا شرط قرار دینے کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب میں مولانا ظفر احمد صاحب تھامی کے دو مکتوب ترجمان القرآن بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوئے ہیں۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے مکاتیب میں ان اشکالات کا مفقہ حنفی کی روشنی میں، جواب دینے کی کوشش کی ہے جو ربانی صاحب نے پیش کیے تھے۔ مجھے مولانا کے بعض پیش کردہ نتائج سے اختلاف ہے اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنا نقطہ نظر بھی ان صفحات میں پیش کر دوں تاکہ مولانا اور دوسرے اہل علم ان پر غور کر سکیں۔ بحث کی سہولت کے لیے میں پہلے مولانا ظفر احمد صاحب کے خیالات حتی الامکان خود ان کے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا اس کے بعد اپنی ناچیز معروضات پیش کروں گا۔

تملیک کے متعلق مولانا کا نقطہ نظر یہ ہے :-

"تملیک فقیر زکوٰۃ کے لیے شرط ہی نہیں بلکہ رکن ہے، بلکہ زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک فقیر ہے۔ زکوٰۃ میں تملیک کا ضروری ہونا متفق علیہ ہے کسی امام کا اس میں اختلاف بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ امام شافعی کی طرف ترویج قول منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک انما الصدقات لافقراء میں لام ملک کے لیے ہے۔ تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کی ایک بنیادی شرط مان لینے کے بعد جہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں یا ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اموال زکوٰۃ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس منتقل کرنے کے مصارف بھی زکوٰۃ کی مد سے نہیں ادا کیے جاسکتے کیونکہ اس میں تملیک فقیر نہیں پائی

جاتی۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ زکوٰۃ کی چیزوں کو مذکورہ کے مصارف سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے دو جواب مولانا نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ :-

”جس زمانہ میں زکوٰۃ اسلامی حکومت کے ذریعہ سے وصول کی جاتی تھی اس کی یہ صورت نہ تھی کہ عامل تنہا ہر شخص کے مکان یا چراگاہ پر جاتا اور زکوٰۃ وصول کرتا ہو بلکہ اس کے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا تھا، وہی اس مقام کے خزانہ یا تحصیل میں زکوٰۃ کے روپوشی اور موبل جمع کرتے تھے اور اس بستی کے غریبا اسی جگہ جمع ہو جاتے امدان پر زکوٰۃ تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جب تک اس مقام پر فقراء موجود ہوتے دوسرے مقام پر زکوٰۃ منتقل نہ ہوتی تھی“

مولانا کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ منتقل کرنے کے مصارف کا سوال پیدا ہو جس ملکیت یا چرایا گاہ سے زکوٰۃ وصول ہوئی وہیں غریب و فقراء جمع ہو گئے اور تحصیل داروں نے ان کے اندر زکوٰۃ کے مال کو تقسیم کیا اور دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسرا جواب مولانا نے یہ دیا ہے کہ :

”چونکہ ولایت عامہ کی وجہ سے امام فقراء کا وکیل ہوتا ہے اور عمال امام کے نائب ہونے لگے اگر فقراء کی مصلحت سے زکوٰۃ کو منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی تو امام اور اس کے عمال کو مصارف نفل بھی مال زکوٰۃ سے وصول کرنے کا حق تھا جیسا خود فقیر مال زکوٰۃ پر قبضہ کر کے اپنے گھر لے جاتا تو مصارف نفل اسی مال سے نکال سکتا تھا امام یا مصدق کا مال زکوٰۃ پر قبضہ کرنا فقراء ہی کا قبضہ کرنا ہے کیونکہ وہ بوجہ ولایت عامہ کے فقراء کا وکیل ہے“

مولانا نے ولایت عامہ کا یہ حق صرف ایک ایسی اسلامی حکومت کے لیے تسلیم کیا ہے جو آئین اسلام کے مطابق اسلامی حکومت ہو، محض رسمی اور اسمی قسم کی مسلمان حکومتوں کے لیے مولانا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ولایت عامہ کی مدعی بن کر مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکیں۔ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

”مطالبہ عشر و زکوٰۃ کا یہ حق اسی حکومت مسلمہ کو حاصل ہے جو آئین اسلام کے مطابق اسلامی حکومت ہو۔ ہر حکومت کو یہ حق حاصل نہیں جو کہ برائے نام ہی اسلامی حکومت ہو اور واقع میں اسلامی حکومت نہ ہو“

اس اصولی جواب کے بعد مولانا نے خود ہی خاص پاکستان کی حکومت سے متعلق بھی بیانات صاف کر دیے کہ یہ وہ اسلامی حکومت نہیں ہے جو مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کے مطالبہ کی حق دار ہو۔ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ”یہاں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بڑا مقصد اسلامی سلطنت قائم کرنے سے امر بدین کا انتظام، احکام شرعیہ کا تقاضا، نماز اور صدقات و زکوٰۃ کا نظم اور شریعت کے موافق مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنا، جہاد اور سامان جہاد کا بندوبست کرنا ہے۔ اگر کسی سلطنت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسلامی سلطنت نہ ہوگی اگرچہ مسلمانوں کی سلطنت ہو۔ اور صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اسی سلطنت کو حاصل ہے جو اس مقصد کو پورا کرے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے ورنہ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ پس جو لوگ اسلامی سلطنت میں سیاست اور مہرب کو انگ کرنا چاہتے ہیں وہ اسلامی سلطنت قائم نہیں کرنا چاہتے بلکہ یورپین طرز کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے پاکستان.....“

اچھا اگر پاکستان کی حکومت اس بات کی حقدار نہیں ہے کہ یہاں کے مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکے تو کیا یہاں کے مذہبی اور دینی اداروں اور انجمنوں میں سے کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کی تحصیل کر سکے؟ اس سوال کا جواب مولانا یہ دیتے ہیں:-

”عام اداروں کو ولایت عامہ حاصل نہیں ہے اس لیے ان کو فقراء مجہولین کا قائم مقام نہیں کہہ سکتے، صرف زکوٰۃ دینے والوں کا نائب کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو معلوم ہیں پس ان کے قبضہ کو قبضہ فقراء نہیں کہا جاسکتا۔ اور ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ کی رقم پہنچنے سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک فقراء کے قبضہ میں نہ پہنچ جائے۔ اگر یہ ادارے یا ان کے عاملین زکوٰۃ میں سے سفر خرچ وغیرہ نکالیں گے زکوٰۃ پوری ادا نہ ہوگی۔ اور دوسری ہوگی۔ پس جو ادارے زکوٰۃ کی تحصیل وصول کے لیے مقررے ہوں ان کو ولایت عامہ حاصل کرنا چاہیے جس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ حکومت کی طرف سے ان کو یہ حق دیا جائے، یا پھر عامۃ المسلمین بالاتفاق ان کو یہ حق دے دیں کیونکہ عامۃ المسلمین بھی حکومت کے قائم مقام ہو جاتے ہیں مگر عامۃ المسلمین کا کسی ادارہ پر اتفاق بہت دشوار ہے“

مولانا کے ان ارشادات کی روشنی میں زکوٰۃ کے مصارف اور اس کی وصول تحصیل سے متعلق جو حقائق سامنے

آتے ہیں وہ بالاجمال مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- زکوٰۃ کی رقم سے غربا کی اجتماعی خدمت و بہبود کا کوئی چھوٹا یا بڑا کام نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً آپ اس سے غریبوں کے محلے میں کوئی مسجد نہیں بنا سکتے، ان کے لیے تعلیم دین کا کوئی ادارہ نہیں کھول سکتے، ان کی ذہنی اور فکری تربیت کے لیے کوئی اسلامی لائبریری نہیں قائم کر سکتے، ان کے مریضوں کے مفت علاج کے لیے کوئی شفا خانہ نہیں بنا سکتے، غریبوں کے کسی محلہ میں اگر کنواں نہیں ہے تو ان کے پانی پینے کے لیے آپ کنواں بھی نہیں بنوا سکتے، مسافروں کے لیے کوئی سرائے یا ٹالاب بھی نہیں بنا سکتے۔ الغرض اس قسم کا کوئی کام جو اجتماعی نوعیت رکھتا ہو، خواہ وہ سو فی صدی غریبوں ہی کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو، آپ اس کو زکوٰۃ کی مد سے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ کسی معین مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک بنادیا جائے۔ مذکورہ صورتوں میں یہ شرط مفقود ہے، کیونکہ ان میں فائدہ بہت سے غریبوں کے درمیان مشترک ہو گیا ہے، اس وجہ سے تملیک نہیں پائی گئی۔

۲- آپ اس زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب کی لاش ٹھکانے لگانے کا انتظام بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ غریب مرجانے کے سبب سے اس قابل تو رہا نہیں کہ اس مال کو اپنے قبضہ میں لے کر اپنے کفن اور دوسرے سامان تجہیز و تدفین کا انتظام کر سکے، اور تملیک فقیر کی شرط جو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے مکن کی حیثیت رکھتی ہے پوری ہو سکے۔ اس وجہ سے زکوٰۃ کی مد سے اس کی تجہیز و تکفین نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کسی مردہ غریب کا قرضہ بھی زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی غلام کو خرید کر آزاد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر چند یہ کام غریبوں کی بڑی خدمت کے ہیں لیکن تملیک فقیر جو ادائے زکوٰۃ کے لیے شرط ضروری ہے ان دونوں صورتوں میں بھی مفقود ہے۔

۳- کوئی پبلک انجمن یا ادارہ خواہ اس کی دینی حیثیت کتنی ہی مسلم کیوں نہ ہو تحصیل زکوٰۃ کا مجاز نہیں ہے۔ اگر کوئی دینی ادارہ یا انجمن اس کام کو کرے تو وہ وصول کردہ زکوٰۃ میں سے ایک پیسہ بھی اس کی وصولی کے مصارف پر خرچ نہیں کر سکتا ورنہ اس کے بقدر زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کے لیے جائز صورت صرف یہ ہے کہ ایک طرف وہ زکوٰۃ دینے والوں سے زکوٰۃ وصول کرے دوسری طرف غریبوں کو اس کا مالک بناتا جائے۔ یا پھر اگر وہ اس رقم کو غریبوں کی تعلیم یا دوسری ضروریات پر اجتماعی طریقے سے خرچ کرنا چاہے تو پھر اس حیلہ سے کام لے جو عموماً ہمارے مدد سوں میں کیا جاتا ہے یعنی پہلے زکوٰۃ کسی غریب

طالب علم کو دلوٹے اور پھر اس طالب علم پر دباؤ ڈال کر اس سے ملے سے یا انجمن کے فنڈ میں وہی رقم بطور عطیہ وصول کرے۔

۴۔ دینی انجمنوں کیلئے اعلیٰ جائز راستہ صرف یہ ہے کہ وہ حکومت سے یا عامۃً مسلمین سے غریبوں کی ولایت عامہ کا حق حاصل کریں لیکن افسوس ہے کہ پاکستان میں اس چیز کے حاصل کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے کیونکہ پاکستان کی حکومت کو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے خود ولایت عامہ حاصل نہیں ہے، تو جو چیز اس کو خود حاصل نہیں ہے وہ چیز وہ کسی دوسرے کو کس طرح بخش سکتی ہے؟۔ یہ ہے جمہور مسلمین تو ان کے بارے میں خود مولانا ہی نے بالکل صحیح فرمادیا ہے کہ ان کا کسی ادارہ پر اتفاق بہت دشوار ہے۔

۵۔ پاکستان میں ادائیگی زکوٰۃ کی معیاری شکل صرف یہ ہے کہ ہر صاحب زکوٰۃ اپنی زکوٰۃ خود لکائے اور خود کسی مستحق کو تلاش کر کے اس کو اس کا مالک بنادے۔

ان ساری باتوں کی بنیاد فقہ حنفی پر بتائی جاتی ہے اور فقہ حنفی کے متعلق عام تصور (اور خود ہمارے تصور بھی) یہ ہے کہ وہ اجتماعی اور سیاسی پہلو سے دوسری فقہوں کے مقابل میں عقل سے قریب تر ہے۔ لیکن زکوٰۃ سے متعلق اس کے ترجمانوں نے یہ تصورات جو دیئے ہیں ان پر کبھی سمجھا کہ ان پر کسی شخص کا قلب بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ اسلامی معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ لیکن اگر یہ واقعہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی اجتماعی نوعیت کا کام نہیں کیا جاسکتا اور غریبوں کی مجموعی بہبود کی اسکیمیں اس سے بوٹے کار نہیں لائی جاسکتیں بلکہ ختم کی دیگ کی طرح اس کا وہیں تقسیم کر دیا جانا لازمی ہے جہاں یہ پکائی گئی ہے تو اس کی افادیت کم از کم موجودہ زمانہ کے اقتصادی ماحول میں قہراً صفر ہو کے رہ جاتی ہے۔ پھر ایک غور و فکر کرنے والا آدمی یہ سوچ کے بھی حیران رہ جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے نیکی اور خدمت خلق کے وہ کام بھی انجام نہیں دیئے جاسکتے جن میں بعض کام نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی غریب کی تہذیب و تہذیب بھی اس عمل میں نہیں آسکتی تاکہ چل کر اس زیادہ حیران کن صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ ایک طرف تو اسلام زکوٰۃ کے معاملہ میں اجتماعیت پر اس درجہ زور دیتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں کم از کم اسوٰل ظاہر کی حد تک کسی شخص کا انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنا سرے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ یا دوسری طرف اسلامی حکومت موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ حال ہو جائے کہ ہر شخص کے لیے انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنا ہی ایک معیاری

طریقہ رہ جائے امداد اعلیٰ کے موجود نہ ہونے کے غصہ میں اعلیٰ سے قریب تر شکلوں کا اتہام بھی چھوڑ دیا جائے۔

یہ باتیں ایک عام آدمی کے ذہن میں سخت تشویش اور الجھن پیدا کرتی ہیں۔ بالخصوص جب وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ صدقات کی رقوم کو کسی عمدہ اجتماعی کام پر صرف کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ ایک نہایت بد نما جیلے کی آٹلی جلتے تو خود شریعت کے متعلق اسی کے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی جائے مگر فی الواقع دین میں اس کی کوئی بنیاد ہے تو وہ بنیاد معلوم کی جائے جس پر یہ پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے بنیاد چیز ہے تو اس کی بے حقیقی واضح کر دی جائے۔ تاکہ بلاوجہ شریعت کے متعلق کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔

تملیک شخصی کے نظریہ کی حقیقت | زکوٰۃ کے مصرف اور اس کی وصولی سے متعلق یہ سارے نظریات درحقیقت فرع ہیں "تملیک فقیر" یا بالفاظ دیگر "تملیک شخصی" کے نظریہ کی۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کسی محتاج اور غریب کو اس کا مالک بنایا جائے، اس قسم کی تملیک کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس چیز کو ادائیگی زکوٰۃ کی ضروری شرط بلکہ مکن زکوٰۃ تسلیم کر لینے سے وہ نتائج آپ سے آپ پیدا ہوتے ہیں جن کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ اس وجہ سے سب سے مقدم یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ یہ نظریہ کس دلیل شرعی پر قائم ہے۔

اس میں تو شبہ نہیں ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں تملیک کا ذکر آتا ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ لیکن مجھے تلاش کے باوجود کہیں اس مسئلہ پر کوئی ایسی بحث نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا ماخذ کتاب و سنت کے اندر کیا ہے، مکن تقاضوں سے یہ وجود میں آیا ہے اور کب سے اس نے فقہ حنفی کے اندر ایک مسئلہ کی حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق اجماع تک کا دعویٰ کیا جانے لگا۔

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی چیز کو کسی چیز کا مکن قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کتاب اور سنت کے اندر اس کی کوئی اصل ہو۔ بغیر اس قسم کی کسی اصل کے کسی چیز کو کسی چیز کا مکن قرار دے سونا دین میں ایک اضافہ ہے جس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا تملیک کے حق میں اس قسم کی کوئی دلیل قرآن یا حدیث سے ملتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں، میں صاحب شرح العنایہ علی الہدایہ کا ایک نوٹ نقل کرتا ہوں جو انہوں نے صاحب ہدایہ کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تملیک

رکن زکوٰۃ ہے اس نوٹ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ نظریہ کتاب و سنت کی کسی دلیل کے اوپر مبنی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے صاحب شرح العنایہ فرماتے ہیں:-

لان الاصل فی دفع الزکوٰۃ تملیک فقیر
مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ حبرا من
المال مع قطع منفعة المدفوع
عن نفسه مقرونا بالنية - ولعائل
ان يقول قولكم التملیک رکن
دعوی مجردة اذ ليس فی الادلة
النقلية المنقولة فی هذا الباب
ما يدل علی ذالك خلا قوله تعالى
... إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ... و
انتم جعلتم اللام للعاقبة دون
التملیک - والجواب ان معنى قولهم
للعاقبة ان المقبوض يصیر ملكا لهم
فی العاقبة فهم معارف ابتداء لا
مستحقون ثم يحصل لهم الملك فی
العاقبة بدلالة اللام فلم يتبق دعوی
مجردة -

رہائشہ فتح القدیر - ج ۲۰ ص ۲۰

کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے اصل چیز یہ ہے کہ آدمی
اپنے مال کے کچھ حصہ کا کسی مسلمان محتاج کو، جو ہاشمی
یا کسی ہاشمی کا آئندہ کردہ غلام نہ ہو، ادائیگی زکوٰۃ کی
نیت کے ساتھ، اس طرح مالک بنا دے کہ خود اپنی
کوئی غرض اس ادا کردہ مال کے ساتھ وابستہ نہ رکھے۔
ایک معترض اس پر یہ کہہ سکتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ
تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی
ہے محض ایک خالی غلطی دعویٰ ہے کیونکہ زکوٰۃ کے
سلسلہ میں جو نقلی وسیلے وارد ہیں ان میں کوئی چیز
ایسی نہیں ملتی جس سے اس دعویٰ کا ثبوت مہیا ہوتا
ہوے وے کہ اس باب میں جو چیز وسیلہ کی حیثیت
رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ
لِلْفُقَرَاءِ لیکن اس کا حال بھی یہ ہے کہ تم (یعنی حنفیہ،
للفقراء کے لام کو عاقبت کے معنی میں لیتے ہو تملیک
کے معنی میں نہیں لیتے۔ جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ
لام کو جو ہم عاقبت کے معنی میں لیتے ہیں تو اس کا
مطلب یہ ہے کہ مقبوضہ مال آخر کار ان کی ملک بن

جائے گا پس اپنی ابتدائی حیثیت میں تو یہاں فقراء اور سائیکین کا ذکر مصارف زکوٰۃ بیان کرنے کے پہلو سے
ہوا ہے مستحقین کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے لیکن لام اس بات پر دلیل ہے کہ بالآخر ان کو ملکیت حاصل

ہو جائے گی پس تملیک کا دعویٰ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں رہا۔

اس نوٹ کو بغور پڑھیے۔ یہ ایک ایسے بلند مرتبہ حنفی عالم کے قلم سے نکلا ہے جنہوں نے ہدایہ جیسی بلند پایہ کتاب پر حاشیہ لکھا ہے۔ ان کا اپنا اعتراف یہ ہے کہ تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کوئی نقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ اے دے کر اگر کسی چیز کو دلیل کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے تو وہ ایک لام ہے جو انما الصدقات للفقراء والی آیت میں لفظ فقراء پر داخل ہے۔ اس لام کا بھی حال یہ ہے کہ احناف اس کو غالباً شوائع کے استدلال سے بچنے کے لیے تملیک یا استحقاق کے معنی میں نہیں لیتے بلکہ عاقبت کے معنی میں لیتے ہیں۔ اول تو اس لام کو عاقبت کے معنی میں لینے کا کوئی ٹک نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس معنی میں اس کو لے بھی تو بہر حال اس سے تملیک کا مفہوم تو کسی طرح بھی نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ اگر بہت تکلف سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں لام عاقبت لینے کے بعد بھی یہ آیت تملیک کے مفہوم کے خلاف نہیں جاتی اور یہی ان بزرگ عالم نے فرمایا بھی ہے لیکن اتنی بات کچھ بھی مفید مطلب نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کتاب و سنت سے کیا دلیل ہے۔ اگر اس کی کوئی دلیل موجود ہے تو ہم بڑے شوق سے یہ مان لیں گے کہ اس لام کو عاقبت کے معنی میں لینے سے بھی کوئی خاص حرج واقع نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اصل دعویٰ ثابت نہ ہو تو محض لام عاقبت کی اس توجیہ سے اصل بحث کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ تملیک کا دعویٰ تو اس توجیہ کے بعد بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ رہا۔

لام تملیک سے استدلال کی حقیقت | حنفیہ اگرچہ انما الصدقات للفقراء والی آیت میں لام کو تملیک کے معنی میں نہیں لیتے اس وجہ سے اس سے ان کے ہاں تملیک پر استدلال کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن یہ لام بہر حال ایک بناٹے بحث بن سکتا ہے اور اس سے ایک شخص تملیک پر استدلال کر سکتا ہے جیسا کہ امام شافعی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس سے تملیک پر استدلال کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ لام تملیک کے مفہوم کے لیے ایسا نص قطعی ہے کہ تملیک کو ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک رکن کی حیثیت دے دی جائے جس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو سکے اور اس کے نتیجہ میں وہ سارے مسائل پیدا کر دے جائیں جن کا صدر مضمون میں ہم نے لایا۔ اس لام پر مفصل بحث آگے آرہی ہے وہیں اس کے بارے میں احناف اور دیگر ائمہ کے مذاہب پر ہم روشنی ڈالیں گے۔

حوالہ دیا ہے اور جن کے سبب سے زکوٰۃ جیسی اہم چیز کی ساری افادیت بالکل ختم ہو کے رہ جاتی ہے۔
 میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس لام کو تملیک کے مفہوم کے لیے خاص کر دینا ایک نہایت کمزور بات ہے۔
 عربی زبان میں یہ حرف کچھ ایک ہی معنی کے لیے نہیں آتا کہ اس سے حاصل شدہ مفہوم کو شرط اور کن کا مرتبہ دے
 دیا جائے۔ حروف کی بحث میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور نحوی شیخ جمال الدین ابن ہشام انصاری کی معنی التلویح
 ایک مستند ترین کتاب ہے۔ اس فاضل نے غالباً مکہ میں بیٹھ کر یہ کتاب لکھی ہے اس غرض سے تھی کہ یہ
 قرآن و حدیث کی نحوی مشکلات کے حل کرنے میں رہنمائی کر سکے۔ انہوں نے لام کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ ۲۲ معنوں
 کے لیے آتا ہے۔ ان تمام معانی کی تفصیل نقل کرنا تو یہاں مشکل ہے اور غیر ضروری بھی، لیکن اس کے چند معانی کتاب
 مذکورہ سے ہم یہاں درج کرتے ہیں تاکہ اس کی وسعت کا اندازہ ہو سکے اور جو لوگ اس کو تملیک کے معنی کے لیے
 ایک نص قطعی تیار ہے ہیں ان کی غلطی واضح ہو سکے علامہ موصوف نے اس حرف کے جو معانی بتائے ہیں
 ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ استحقاق کے معنی کے لیے مثلاً الحمد للہ (شکرہ حقیقی کا حقدار اللہ ہی ہے) ویلّٰ لِلْمُطَنِّفِینِ رَاہِ
 تول میں کمی کرنے والے ویل کے مستحق ہیں۔

۲۔ اختصاص کے معنی کے لیے، مثلاً الْحِجَّةُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (حجّت اہل ایمان کے لیے خاص ہے)
 ۳۔ ملکیت کے مفہوم کے لیے، مثلاً لَهُ مَا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اسی کی ملکیت ہے جو کچھ
 آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے)

۴۔ تملیک کے معنی کے لیے، مثلاً وَهَبْتُ لَزَیْدٍ دِیْنَارًا (میں نے زید کو ایک دینار ہبہ کر دیا)۔
 ۵۔ تملیک سے ملتے جلتے مفہوم کے لیے، مثلاً جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (اور تمہاری ہی جنس سے
 تمہارے لیے بیویاں بنائیں)۔

اوپر مذکور لام عاقبت بھی زیر بحث آچکا ہے اس وجہ سے اس کی نوعیت بھی معلوم کر لیجیے۔ سترھویں نمبر
 پر اس کا ذکر اس طرح آتا ہے "لام صیروۃ جس کو لام عاقبت اور لام مال بھی کہتے ہیں، مثلاً فَاَلَمْ نَقْطَعْ اِلَ
 فِرْعَوْنَ لَیْکُوْنَ لَھُوعَدُوْا وَحَزَنًا (اور اس کو (موسیٰ کو) فرعون کے گھر والوں نے دریا سے زکال لیا تاکہ وہ

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا
مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ
سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى
اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ
وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
تَلَوُّهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(توبہ: ۵۸-۶۰)

انکی خوشی کے بعد دیا جاتا تو رضی بہت سے میں اور اگر دیا جائے تو یہ بھی خوش ہو جائے گا
اگر وہ اس پر قناعت کرتے جو اللہ اور اس کے رسول نے
ان کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اللہ اپنے
فضل سے میں نوازے گا اور اس کا رسول بھی میں عطا فرمائے گا
ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں، تو یہ بات ان کے
حق میں بہتر ہوتی، خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے اور
محتاجوں کا اور ان کا رکھنا ان کا جو مال خیرات کے وصول
کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچنا
منظور ہے۔ نیز اگر نہیں چھڑنے میں اور زیر باروں کے

قرضہ میں اور لاشکی راہ میں اور مساقروں کی ضروریات میں اس کو خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ کا ٹھہرا ہوا فریضہ ہے اور اللہ
علم و حکمت والا ہے۔

دیکھیے، یہاں اوپر والی آیت میں ذکر ان منافقین کا تھا جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن ظن اور سواطن
تمام تر اغراض پر مبنی تھا۔ اگر خیرات کے مال میں سے ان کی خواہش کے بعد انہیں مل جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
خوبصورت تعریفیں کرتے اور خواہش کے بعد نہ ملتا تو آپ کو مستہم کرنے سے بھی باز نہ رہتے۔ آپ پر بے جا جانبداری
اور ناروا پاسداری کا الزام لگاتے اور طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کرتے۔ غور کیجیے کہ اس سیاق میں تباہی کی بات
کیا ہو سکتی ہے۔ یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے یا یہ کہ زکوٰۃ و خیرات کی
رقموں کے اصلی مقدار اور مستحق فلاں فلاں قسم کے لوگ ہیں، ظاہر ہے کہ اس سیاق میں تباہی کی بات یہ دوسری ہی
ہو سکتی ہے کہ پہلی۔ چنانچہ مفسرین میں سے جن لوگوں کی نظر سیاق و سیاق پر رہتی ہے انہوں نے آیت کی یہی تاویل کی
ہی ہے صاحب کشاف، إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

قصر لجنس الصدقات علی الاصناف
المعدودة وانها مختصة بها لا تتجاوزها
یہاں زکوٰۃ و صدقات کو مذکورہ اقسام پر محدود کر دیا گیا
ہے اور یہ کہ یہ انہی کے لیے خاص ہے۔ دوسروں کی طرف

الغیرہا کانه قبل انماھی لهم
لا لغیرهم ونحوہ قولک انما الخلافۃ
لقریش ترید لا تتعداھم ولا تكون
لغیرهم۔
یہ چیز منتقل نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ بات کہی گئی کہ یہ
چیز انہی کے لیے ہے ان کے ماسوا لوگوں کے لیے
نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ تم کہو کہ
انما الخلافۃ لقریش خلافت تو بس قریش کے
لیے ہے۔ یعنی یہ ان کے سوا دوسروں کا حق نہیں ہے۔

پس لام یہاں جس چیز کو ظاہر کر رہا ہے وہ صرف خیرات و صدقات کا مذکورہ اصناف کے لیے خاص ہونا
ظاہر کر رہا ہے، تملیک کے معاملہ سے اس کو کوئی تعلق ہے اور نہ اس مسئلہ سے اس کو کوئی واسطہ ہے کہ یہ
تمام اصناف بیک وقت اس کی حقدار ہیں یا ان میں سے مصلحت کیے تحت کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکتی
ہے یا ان میں سے کسی ایک ہی کو اس کا مصرف بنایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد آیت کی اندرونی تالیف پر غور کر کے دیکھیے کہ خود اس کے مختلف اجزاء کی باہمی مناسبت
کا تقاضا کیا ہے۔ آیت کے اندر جیسا کہ بالکل واضح ہے، آٹھ اصناف کا بحیثیت مصارف خیر کے ذکر
ہے۔ جن میں سے ابتدائی چار کا ذکر لام کے تحت ہے اور چار کا ذکر فی کے تحت۔ ظاہر ہے کہ کلام میں یہاں
کوئی ایسی ہی تقدیر ماننا مناسب ہو گا جو لام کے ساتھ بھی مربوط ہو سکے اور فی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہو سکے۔
اگر لام کو تملیک کے معنی میں لیجیے تو آیت کا ابتدائی حصہ اس کے آخری حصہ سے بالکل ہی بے ربط ہو کے رہ جائیگا
کیونکہ فی میں بہر حال تملیکیت کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ اگر اس کے اندر پایا جاتا ہے تو افاذیت اور خدمت
و مصلحت کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ما کان العبد فی عون اخیه (جب تک کہ ایک
مسلمان اپنے بھائی کے کام میں یا اس کے مصالح کی خدمت میں رہتا ہے)۔ پس آیت کے دونوں حصوں کی
ہم آہنگی کا اقتضا یہ ہے کہ یہاں لام کو اشتقاقی یا ارتفاع کے مفہوم میں لیا جائے تاکہ ایک ہی تقدیر کے
تحت پوری آیت کی تاویل ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ لام میں تملیک کا مفہوم لیا گیا تو آخری چار اصناف
کے ساتھ تملیکیت کا مفہوم جوڑنے کے لیے کلام کی وسعت اور اس کی بلاغت کو بالکل ذبح کر دینا پڑے گا
جیسا کہ فی الواقع کیا بھی گیا ہے اور جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس ادبی نکتہ کی طرف ابن منیر نے کشاف کے

حاشیہ الانصاف میں تو توجہ دلائی ہے :-

فاما ان يكون التقدير انما الصدقات
مصرفه للفقراء كقول مالك او
مملوكة كقول الشافعي لكن الاول
متعين لانه تقدير يكتفي به في
الحرفين -

انما الصدقات المغفراو میں تقدیر کلام یا توجہ
ہوگی کہ صدقات فقراء کے لیے عرف کیے جائیں گے
جیسا کہ امام مالک کہتے ہیں۔ یا یہ ہوگی کہ صدقات
فقراء کی ملکیت میں جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔
لیکن یہاں پہلی تقدیر متعین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ

والانصاف حاشیہ کشاف لابن مہیر
دونوں حرفوں (ل او فی) کے ساتھ یکساں طور پر
ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

ملکیت کی بعض دوسری دلیلیں | اس لام کے علاوہ مجھے فقہ کی مشہور و متداول کتابوں میں ملکیت کے رکن زکوٰۃ ہونے
کی کوئی دلیل یا وجود تلاش کے نہیں ملی اور اگر ملی بھی ہے تو اس کا ملکیت کی دلیل ہونا کم از کم اس عاجز پر کسی پہلے سے بھی واضح
نہیں ہو سکا۔ تاہم چونکہ اسی طرح کی بعض مبہم چیزوں کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے اس وجہ سے میں ان پر بھی ایک تنقیدی
نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے ملکیت کی مندرجہ ذیل دلیلیں اپنے مضمون میں
نقل فرمائی ہیں۔

وقد امر الله تعالى الملال بايتاء الزكاة
بقوله عز وجل واتوا الزكاة والاتباء هو
التملك ولذا سمي الله تعالى الزكاة
صدقة بقوله انما الصدقات للفقراء
والمصدق تملك

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اقوال الزکوٰۃ کے ذریعہ مالکین
نصاب کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور اتیان ملکیت
ہی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام صدقہ
رکھا ہے اور ثابو سے انما الصدقات للفقراء
اور تصدق وہی ملکیت ہے۔

دوسری جگہ ہے :-

واما وكنه فهو التملك لتوبه تعالى
رہا زکوٰۃ کا رکن توبہ ملکیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

وَأَتَوَاحِقَهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَالْإِبْتَاءُ هُوَ التَّمْلِيكُ - (ربائع الصنائع - ج ۲ - ۶۵)

فرمایا ہے: وَأَتَوَاحِقَهُ يَوْمَ حَصَادِهِ اور اس کی گناہی کے وقت اس کا حق دور یا ہاں اتنا سے مقصود ہی تملیک ہے۔

تملیک کی تائید میں جن نصوص کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

وَأَمَّا النَّصُّ فَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ وَالْإِضَافَةُ بِحَرْفِ اللَّامِ تَقْتَضِي الْأَخْتِصَاصَ بِجِهَةِ الْمَلِكِ إِذَا كَانَ الْمَضَافُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ الْمَلِكِ - (ربائع - ج ۲ - ص ۵۰)

۱۔ التملیک کے ثبوت میں نص تو اللہ تعالیٰ کا قول انما الصدقات للفقراء (خیرات کا مال تو بس غریبوں کے لیے ہے) ہے۔ اور دوسری آیت ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (دنی اموالہم حق معلوم) (اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک متعین حق ہے) حرف لام کے ذریعے سے جب اضافت ہو تو وہ ملکیت کے پہلو سے اختصاص کو چاہتی ہے بشرطیکہ مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

بس یہی دلیلیں ہیں جو تملیک کی تائید میں فقہ کی مختلف کتابوں میں دہرا دہرا کر پیش کی گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اِتِّیَاءُ اور تصدق کے الفاظ کی حقیقت ہی تملیک ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ للفقراء اور للسائل والمحرور میں جو لام ہے وہ اختصاص ملک کا مقتضی ہے

اگر مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے یہ گزارش ہے کہ اس میں تو شبہ نہیں کہ اِتِّیَاءُ اور تصدق کے الفاظ میں بعض جگہ تملیک کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے لیکن اس میں بہت کچھ دخل قرینہ اور سیاق و سباق کو ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان الفاظ ہی کے اندر تملیک کا مفہوم داخل ہو اور جب یہ بے جائیں تو تملیک کا مفہوم ان کے اندر سے آپ ہی آپ نکل آئے۔ اگر ایسا ہوتا تب تو بلاشبہ ان کو تملیک کے ثبوت میں بطور نص سمجھیں کیا

جاسکتا تھا لیکن یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ ہرگز نہیں! انتیہا ہم الکتاب (امم) لسان کو کتاب
دی، اور انتیہا داؤد زبورنا (امم) نے داؤد کو زبور عطا کی، میں بھی تملیک کا مفہوم لینا پڑیگا علامہ لن میں اور اس طرح کے
یہ شمار متحملات میں تملیک کے مفہوم کا کوئی ثابہ بھی نہیں ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن یا حدیث میں یہ الفاظ
اولئے زکوٰۃ وغیرت کے لیے بولے گئے ہیں وہاں بے تکلف تملیک کی طرف ذہن جاتے ہیں یا نہیں ہیں نہایت خوب
کے ساتھ عرض کر دوں گا کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی اتوا الزکوٰۃ یا تصدقوا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں تمہارا مفہوم ان الفاظ
کا صرف یہی ہے کہ زکوٰۃ دو اور صدقہ دو۔ سارا زور صدقہ اور زکوٰۃ ادا کرنے پر ہے اس سے بحث نہیں کہ یہ ادائیگی تملیک
فقیر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ یہ چیز اتوا اور تصدقوا کے الفاظ سے نہیں نکلتی۔ اگر اس کی کوئی اور دلیل ہو تو
اس پر غور کیا جاسکتا ہے، لیکن محض اتوا اور تصدقوا کے سہارے پر تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا کرنا نہیں قرار دیا جاسکتا
چند مثالیں میں قرآن سے پیش کرتا ہوں جن کو ملاحظہ فرمائیے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
فَخَلَّوْا سَبِيلَهُمْ (توبہ - ۵)

الَّذِينَ إِذَا مَكَتَاهُمْ فِي الْأَرْضِ إِذَا مَكَتَاهُمْ
الزَّكَاةَ (حج - ۴۱)

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ
وَجِلَّةٌ (مومنون - ۶۰)

یہ چھ آیتیں ہم نے بغیر کسی انتخاب کے نقل کر دی ہیں ان کو خالی الذہن ہو کر پڑھیے اور پھر غور کیجیے کہ ان میں سارا زور
زکوٰۃ کے ادا کرنے کے مفہوم پر ہے یا تملیک فقیر کے وجہ پر؟ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی
ادائیگی کے بعد ان سے تعرض نہ کیا جائے یا یہ بتانا چاہتا ہے کہ جب تک یہ ایک فقیر نہ کریں ان کا پیچھا نہ چھوڑا جائے؟
اسی طرح تیسری آیت پر غور فرمائیے اس میں اتوا کا لفظ موجود ہے۔ لیکن اس سے مقصود ان لوگوں کی انفاق کی سبیل
کی خصلت کا اظہار ہے یا اس بات کا اظہار کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہوئے تملیک فقیر کیا کرتے ہیں؟
اب آئیے دو آیتیں تصدق سے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیے :

قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ نہ ایک حکم شرعی کا منکر ہے۔ (باقی)

سنت

قرآن حکیم کی روشنی میں

(مولانا عبدالغفار حسن صاحب)

(۱) یہ مضمون تین اجزاء پر مشتمل ہے:-

والف، خود قرآن سے اس امر کا ثبوت کہ قرآنی آیات کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا کرتا تھا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

وب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سیرت طیبہ کے ماخذ شریعت اور مدار نجات ہونے پر قرآن حکیم کی حکم شہادتیں۔

رج، ان آیات کی صحیح تفسیر و تاویل جن کو سنت کے انکار کے سلسلے میں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) موجودہ منکرین سنت کے منتشر افراد کا اگر ذہنی تجزیہ کیا جائے تو نمایاں طور پر ان کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں

۱۔ وہ لوگ جن کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن نے تمام اصول و فروع، کلیات و جزئیات کو مفصل طور پر بیان

کر دیا ہے شریعت کا کوئی معمولی سے معمولی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو قرآن میں تفصیل و وضاحت سے نہ ملتا

۲۔ وہ جن کی رائے میں قرآن کے ساتھ تعامل امت پر بھی عتماد کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ وہ جن کا خیال یہ ہے کہ دین و شریعت کے اصول و کلیات کو تو قرآن نے بیان کر دیا ہے باقی رہیں

جزئیات تو ان کے بارے میں مرکز ملت کے فیصلے واجب الاتباع ہونگے، مرکز ملت کو اختیار ہوگا کہ تعامل

امت یا اخبار آحاد سے ثابت شدہ مسائل میں سے جسے چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے رد کر دے یعنی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس بنا پر نہیں کہ آپ ہمیشہ کے لیے... اللہ کے رسول تھے، بلکہ اس لیے

کہ آپ اپنے زمانے کے صاحب امر تھے اور آپ کا طریقہ بعد کے اصحاب امر کے لیے صرف ایک نظیر کا

دھبہ رکھتا ہے جس سے وہ اپنی صواب و عید کے مطابق استغناء دہ کرنے اور نہ کرنے میں آزاد ہیں۔